

زکوٰۃ پر تملیک کی شرط

ہمارے فقہانے مصارف زکوٰۃ پر تملیک ذاتی کی شرط عائد کی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اموال زکوٰۃ کو فرد کی ذاتی ملکیت ہی میں دیا جاسکتا ہے، فلاح عامہ کے کاموں پر براہ راست خرچ نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی اس رقم سے نہ ہسپتال، مدرسہ یا اس طرح کے اجتماعی ادارے قائم کیے جاسکتے ہیں اور نہ اسے کسی میت کی تجہیز و تکفین یا اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے صرف کیا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اجتماعی بہبود کے کام میں یہ ممکن نہیں ہوتا کہ زکوٰۃ کسی فرد کے ہاتھ میں دی جائے اور کفن و دفن کے معاملے میں مرنے والے کو موت کی وجہ سے اس سلسلے میں خرچ ہونے والی رقم کا مالک نہیں بنایا جاسکتا۔

تملیک کو زکوٰۃ کی شرط قرار دینے کے لیے بالعموم یہ دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

ایک یہ کہ سورہ نور کی آیت 'انما الصدقات للفقراء' کے لفظ 'للفقراء' میں حرف 'ل' تملیک کے لیے آیا ہے جس کا مفہوم مالک بنانا ہے۔

دوسرے یہ کہ قرآن مجید کے الفاظ 'اتوا الزکوٰۃ' میں لفظ 'ایتنا' تملیک ہی کا مفہوم دیتا ہے۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا نام 'صدقہ' رکھا ہے اور 'تصدق' کا مفہوم تملیک ہی ہے۔

صاحب "تدبر قرآن" مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے رسالے "مسئلہ تملیک" میں ان دلائل پر تنقید کرتے ہوئے، تملیک ذاتی کے تصور کو قرآن و سنت کے منشا کے خلاف قرار دیا ہے۔ ہمارے نزدیک ان کا نقطہ نظر علم و عقل کے لحاظ سے قوی اور قرآن و سنت کے منشا کے مطابق ہے۔ چنانچہ ہم مختصر طور پر اس کا خلاصہ یہاں پیش کر رہے ہیں۔

اولاً، تملیک کے رکن زکوٰۃ ہونے کی کوئی نقلی دلیل قرآن و سنت میں موجود نہیں ہے۔

ثانیاً، جہاں تک 'للفقراء' کے 'ل' کا تملیک کے مفہوم میں ہونا ہے تو اس ضمن میں یہ بات واضح رہے کہ عربی زبان

میں 'ل' صرف تملیک کے مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا، بلکہ متعدد دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان کے معروف عالم ابن ہشام نے اپنی کتاب "معنی اللیب" میں لکھا ہے کہ یہ 'ل' ۲۲ معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے چند استعمالات یہ ہیں:

○ استحقاق یعنی مستحق ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ 'الحمد لله' کے لفظ 'لله' میں استعمال ہوا ہے۔ اس جملے کا مفہوم ہوگا کہ: "شکر کا حق دار اللہ ہی ہے۔"

○ اختصاص یعنی خاص ہونے کے معنی کے لیے آتا ہے۔ جیسا کہ 'الجنة للمؤمنين' کے لفظ 'للمؤمنين' میں آیا ہے۔ اس جملے کا مفہوم ہوگا کہ: "جنت مؤمنین کے لیے خاص ہے۔"

○ ملکیت یعنی مالک ہونے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ 'له ما فی السموات وما فی الارض' کے لفظ 'له' میں آیا ہے۔ اس جملے کا مطلب ہوگا کہ: "اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔"

○ تملیک یعنی مالک بنانے کے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ 'وبت لزيد ديناراً' کے لفظ 'لزيد' میں آیا ہے۔ اس جملے کے معنی ہوں گے: "میں نے زيد کو ایک دینار ہبہ کر دیا۔"

○ عاقبت یعنی انجام کار کے مفہوم کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسا کہ 'فالتقطه آل فرعون ليكون لهم عدوا و حزناً' کے لفظ 'ليكون' میں آیا ہے۔ اس جملے کا مفہوم ہوگا: "اور اس (موسیٰ) کو فرعون کے گھروالوں نے دریا سے نکال لیا، تاکہ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ ان کے لیے دشمن اور غم کا کاٹا بنے۔"

ابن ہشام نے تملیک کے سوا باقی تمام مفاہیم کے لیے مثالیں قرآن مجید سے نقل کی ہیں، لیکن تملیک کے لیے اس نے عربی زبان کا ایک عام جملہ نقل کیا ہے۔ اگر انما الصدقات للفقراء میں 'ل' کا تملیک کے مفہوم میں ہونا اتنا ہی واضح ہوتا تو وہ لازماً قرآن مجید کا یہی جملہ بطور مثال نقل کرتے۔

ثالثاً، 'للفقراء' کے 'ل' کے بارے میں ہمارے آئمہ مختلف رائے رکھتے ہیں۔ احناف اسے 'عاقبت' کے معنی میں لیتے ہیں۔ مالکیہ 'اجل' کے مفہوم میں لیتے ہیں۔ امام شافعی تملیک کے مفہوم میں لیتے ہیں۔ رابعاً، اس آیت کا سیاق و سباق تملیک کا مفہوم لینے سے ابا کرتا ہے۔

آیت اور اس کا سیاق و سباق یہ ہے:

"اور ان منافقین میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو تمہیں صدقات کی تقسیم کے بارے میں متہم کرتے ہیں، اگر اس میں سے انہیں بھی ان کی خواہش کے بقدر دیا جائے تو راضی رہتے ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو بگڑ بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اس پر قناعت کرتے جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے، اللہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا اور اس کا رسول بھی ہمیں عطا فرمائے گا، ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے ہوئے ہیں تو یہ بات ان کے حق میں بہتر ہوتی۔ خیرات کا مال تو

بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور ان کارکنوں کا جو مال خیرات کے وصول کرنے پر تعینات ہیں اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہے۔ نیز گردنیں چھڑانے میں اور زیر باروں کے قرضہ میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی ضروریات میں اس کو خرچ کیا جائے۔ یہ اللہ کا ٹھیرا یا ہوا فریضہ ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔‘ (التوبہ ۹: ۵۸-۶۰)

مولانا امین احسن اصلاحی آیت کے سیاق و سباق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”دیکھیے، یہاں اوپر والی آیت میں ذکر ان منافقین کا تھا جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن ظن اور سوء ظن تمام تر اغراض پر مبنی تھا۔ اگر خیرات کے مال میں سے ان کی خواہش کے بقدر انھیں مل جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب خوب تعریفیں کرتے اور خواہش کے بقدر نہ ملتا تو آپ کو متہم کرنے سے بھی باز نہ رہتے۔ آپ پر بے جا جانب داری اور ناروا پاس داری کا الزام لگاتے اور لوگوں میں طرح طرح کی وسوسہ اندازیاں کرتے پھرتے۔ غور کیجیے کہ اس سیاق میں بتانے کی بات کیا ہو سکتی ہے۔ یہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کسی فقیر کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے یا یہ کہ زکوٰۃ و خیرات کی رقوم کے اصل حق دار اور مستحق فلاں فلاں قسم کے لوگ ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس سیاق میں بتانے کی بات یہ دوسری ہی ہو سکتی ہے نہ کہ پہلی۔ چنانچہ مفسرین میں سے جن لوگوں کی نظر سیاق و سباق پر رہتی ہے، انھوں نے آیت کی یہی تاویل کی بھی ہے۔“

(مسئلہ تملیک ۱۶)

خامساً، آیت کی اندرونی تالیف تملیک کا مفہوم لینے میں مانع ہے۔ اس کی وضاحت مولانا اصلاحی نے ان الفاظ میں کی ہے:

”آیت کے اندر، جیسا کہ بالکل واضح ہے، آٹھ اصناف کا بحیثیت مصارف خیر کے ذکر ہے، جن میں سے ابتدائی چار کا ذکر لام کے تحت ہے اور چار کا ذکر نفی کے تحت۔ ظاہر ہے کہ کلام میں یہاں کوئی ایسی ہی تقدیر ماننا مناسب ہوگا جو لام کے ساتھ بھی مربوط ہو سکے اور نفی کے ساتھ بھی ہم آہنگ ہو سکے۔ اگر لام کو تملیک کے معنی میں لیجیے تو آیت کا ابتدائی حصہ اس کے آخری حصہ سے بالکل ہی بے ربط ہو کے رہ جائے گا۔ کیونکہ نفی میں بہر حال تملیکیت کا کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا۔ اگر اس کے اندر پایا جاتا ہے تو افادیت اور خدمت و مصلحت کا مفہوم پایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے ما کان العبد فی عون اخیہ (جب تک کہ ایک مسلمان اپنے بھائی کے کام میں یا اس کے مصالح کی خدمت میں رہتا ہے)۔ پس آیت کے دونوں حصوں کی ہم آہنگی کا اقتضایہ ہے کہ یہاں لام کو استحقاق یا انتفاع کے مفہوم میں لیا جائے تاکہ ایک ہی تقدیر کے تحت پوری آیت کی تاویل ہو سکے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ لام میں تملیک کا مفہوم لیا گیا تو آخری چار اصناف کے ساتھ تملیکیت کا مفہوم جوڑنے کے لیے کلام کی وسعت اور اس کی بلاغت کو بالکل ذبح کر دینا پڑے گا۔“ (مسئلہ تملیک ۱۷-۱۸)

دوسری اور تیسری دلیل، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا، یہ ہے کہ ایٹنا، اور تصدق کے الفاظ کی حقیقت تملیک ہی ہے۔ ان دلائل کے ضمن میں مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ بعض مقامات پر ان الفاظ میں تملیک کا مفہوم شامل ہو جاتا ہے، مگر اس میں فیصلہ کن حیثیت سیاق و سباق کو حاصل ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ تملیک کا مفہوم ان الفاظ کے اندر ہر

حال میں پایا جاتا ہے۔ اگر حقیقت میں ایسا ہوتا تو ہمیں 'و اتینا ہم الكتاب' (اور ہم نے ان کو کتاب دی)، اور اتینا داؤد زبوراً' (اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی) میں تملیک کا مفہوم لینا پڑتا جو کہ درست نہ ہوتا۔ اسی طرح سورہ منافقون کی اس آیت 'فاصدق و اکن من الصالحین' (پس میں صدقہ کرتا اور نیکو کاروں میں سے بنتا) سے مراد ہے کہ: "میں مختلف طریقوں سے اللہ کی راہ میں اور غربا کی بہبود کے کاموں میں فیاضی کے ساتھ اپنا مال خرچ کرتا۔" اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ: "میں تملیک فقیر کیا کرتا۔" چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:

”ایتاء یا تصدق کے الفاظ تملیک کے معنی یا مفہوم کے لیے ایسے قطع نہیں ہیں کہ آپ ان کو تملیک کے ثبوت میں نص کی حیثیت سے پیش کریں۔ ان سے اصلی چیز جو ظاہر ہوتی ہے وہ دینا یا خرچ کرنا ہے۔ یہ دینا اور خرچ کرنا تملیک کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور اس کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ تملیک پر اس قدر اصرار اور وہ بھی تملیک کی ایک خاص نوعیت پر، کہ اس کے بغیر زکوٰۃ ادا ہی نہ ہو سکے، یہاں تک کہ کوئی شخص زکوٰۃ کے پیسوں سے کسی غریب میت کے لیے کفن بھی نہ خرید سکے، کسی غریب مردہ کا قرض بھی ادا نہ کر سکے، میرے نزدیک ایک بالکل بے حقیقت بات ہے۔“ (مسئلہ تملیک ۲۲)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زکوٰۃ کے لیے تملیک شرط لازم نہیں ہے۔ یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی شخص ہی کو اس کا مالک بنایا جائے۔ یہ جسلی طرح اس کی تحویل میں دی جاسکتی ہے، اسی طرح اس کی بہبود کے کاموں میں بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس سے ہسپتال اور اسکول بنائے جاسکتے، شاہراہیں اور مسافر خانے تعمیر ہو سکتے اور لاوارث میتوں کے کفن و دفن کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔